ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

فیض احمد فیض کے زندانی ادب کا نفسیاتی مطالعہ

Psychological study of Faiz Ahmad Faiz' Prison Literature

☆طائبہ سہیل

پی ایچ۔ڈی اردو (سکالر)، جی سی یونیورسٹی، لاہور

☆☆ڈاکٹر محمد امجد عابد

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لاہور

☆☆☆ڈاکٹر فوزیہ شہزادی

اسسٹنٹ پروفیسر اردو (وزٹنگ)، ڈویژن اف ایجوکیشن، یونیورسٹی اف ایجوکیشن، ٹاؤن شپ، لاہور

Abstract

There are innumerable classics written by authors who lived the hardships of captivity in different cultures, written in major and minor languages of the world. This literature is deemed as Prison literature. Writers are imprisoned for various reasons such as religious, personal and political. An excerpt or body of literature comprising novels, auro biographies, letters, poetry, historical documents, essays, journalism, diaries, philosophical writings and notes have been written in walls behind the bars. The main reason for arresting the writer and putting him behind bars is to silence him and control his thinking however its especially noted that often times their incarceration provides them the fire needed. Many writers of urdu language through ages have been to prison one among these is the most celebrated author Faiz Ahmed Faiz. His time in prison changed both his writings and ideologies, the study and progression of which is presented in the article below.

Key words: Prison, Literature, Prison literature, Psychology, Faiz Ahmed Faiz, Naqsh faryadi, Dast-saba, zindan nama, Dast-e-tehe-sang, Rawalpindi conspiracy case

کلیدی الفاظ: زندان، ادب، زندانی ادب، حبسیات، نفسیات، فیض احمد فیض، نقش فریادی، دست صبا، زنداں نامہ، دست تہ سنگ، راولپنڈی سازش کیس

مختلف زبانوں کے دنیائے ادب میں ایسی بے شمار تحریریں لکھی گئی ہیں جن کی تخلیق کے وقت راقم پابند سلاسل رہے۔ادب کی اصطلاح میں ایسی تحریر کو زندانی ادب یا حبسیات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔اگرچہ ان تحاریر کے مصنفین کی قید کی وجوہات اور نوعیت مذہبی، سیاسی، سماجی یا ذاتی کچھ بھی ہو سکتی ہیں مگر اتنا طے ہے کے اسیر ہونے والے تمام تر ادبا کی زندان سے پہلے اور بعد کی تحاریر میں فرق دیکھے جا سکتے ہیں۔قید خانوں کی منتشر زندگیوں نے ان کے کلام پر کیا اثرات ڈالے اور کن تبدیلیوں کا، باعث بنا ایک بڑی بحث ہے جس کا حل انسانی نفسیات کی دقیق دنیا میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔ایسے ادب کا مطالعہ جو زندان میں تخلیق کیا گیا اور اس کے پس پردہ نفسیاتی عوامل اور نفسیاتی بحران کو سمجھ کر زندانی ادب اور انسانی نفسیات کی مشترکہ دنیا میں نئے مفاہیم کو تلاش کیا جا سکتا ہے۔خاص کر اگر قید و بند کی نوعیت سیاسی ہوں اور مقید مصنف سیاسی چپقلش کی وجہ سے گرفتار کیا گیا ہو تو اس کی تحاریر کا مطالعہ ادب میں نئی جہتوں، مزاحمتی ادب کو سمجھنے، زندان کے انسانی زندگی پر اثرات جیسی تمام بحثوں کے لئے سود مند ثابت ہوتا ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ دنیا میں جہاں جہاں انقلاب موجزن ہوا وہ ادیب ہی تھے جنہوں نے ہراول دستے کا کردار نبھا کر قربانیاں پیش کیں، قید خانوں کا ایندھن بنے اور ایسا ادب تخلیق کیا جس نے ان کے معاشروں کو شدت سے اپنی ارزنی کا احساس دلایا۔دنیا بھر کے ادب سے اس کی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں مثلا مارکو پولو نے اپنی ناقابل یقین مہم جوئی ایک ساتھی قیدی کو سنائی جس نے انہیں نوٹ کیا اور یہ بات پھیل گئی۔اسی طرح یورپ میں چین کی طرف حقیقی دلچسپی پیدا ہوئی۔آسکر وائلڈ کو دو سال قید کی سزا سنائی گئی تو اس نے جیل میں "دی پروفونڈیز" لکھا۔ان تمام فنکاروں میں قدر مشترک یہ ہے کہ یہ تمام جیل میں تخلیق کیے گئے شاہکار ہیں۔فرانسیسی، روسی، عربی، فارسی اور اردو سمیت سبھی زبانوں کے ادب میں ایسی خاطر خواہ مثالیں موجود ہیں جن کے تخلیق کاروں کا دوران اسیری مطالعہ کر کے تخلیق کار اور تخلیق کے نفسیاتی گرہوں کو کھول کر ادب کی مکمل تفہیم سے براہ

راست تحریر کا حسن دوبالا کیا جاسکتا ہے۔اردو کے چند مصنفین تو ایسے تھے جن کے لیے عشق اور جیل کی زندگی تجربہ گاہ غم زیست بن گئیں۔زندگی کی لطافتوں، نزاکتوں اور راحتوں سے پرے کی یہ تجربہ گاہ ان کی شاعری میں ایسی جولانی کا سبب بنی جس نے ان کی شاعری کو آتش گیر مادے میں پوری طرح تبدیل کر دیا۔ان قد آور ادبی شخصیات میں ایک بڑا نام فیض احمد فیض کا ہے۔اگرچہ اپنی اسیری سے کئی سال قبل فیض کے ادبی سفر کا باقاعدہ آغاز بلکہ یوں کہا جائے کہ آفتاب عروج طلوع ہو چکا تھا تو غلط نہ ہوگا۔فیض کے پہلے شعری مجموعے "نقش فریادی" کی اشاعت 1941 میں ہو چکی تھی جس میں زمانہ طالب علمی سے 1941 تک کا تمام کلام یکجا کیا گیا تھا۔اس مجموعے میں شامل زیادہ تر کلام رومانوی طرز کا ہے۔اس میں جھنجھلاہٹ، نفرت، غصہ، وطن پرستی، حقارت سیاسی نقطہ نظر کی بجائے غم ناکی درد، تڑپ اور دلگدازی ملتی ہے۔مثلاً نقش فریادی کے یہ اشعار دیکھیے

آب شار سکوت جاری ہے
چار سو بے خودی سی طاری ہے
زندگی جزو خواب ہے گویا
دنیا ساری سراب ہے گویا!

نقش فریادی میں غم زمانہ کی ترجمانی کے لیے نظم کا انتخاب کیا گیا اور غم ذات کے لیے غزل کی صنف کو چنا گیا۔اس مجموعے میں 12 غزلیں 31 نظمیں اور چار قطعات شامل ہیں۔فیض کی دردمندی اور دل گدازی کی ترجمان کئی نظمیں اس مجموعے کی پہچان ہیں۔مثلاً "چند روز اور میری جان"، "مجھ سے پہلی سی محبت مری محبوب نہ مانگ"، "میرے ندیم"، "تنہائی"۔اس مجموعے کے بعد فیض کے جتنے مجموعے شائع ہوئے ان میں ان کا بعد کا کلام شائع ہوا ہے یا اس پہ زندان کے نمایاں اثرات نظر آتے ہیں۔اس مجموعہ کلام کے متعلق کئی سال بعد فیض نے ان خیالات کا اظہار کیا تھا۔فیض کا دوسرا شعری مجموعہ "دست صبا" 1952 میں منظر عام پر آیا۔دلچسپ امر یہ ہے کہ یہ شعری مجموعہ پہلے شعری مجموعہ کے قریب 11 سال بعد منظرِ عام پر آیا تھا جو بذات خود زندان کے اہم اثرات میں سے ایک ہے۔فیض قریبا 11 برس تک جو شعری محرک تلاش کرتے رہے وہ انہیں 9 مارچ 1951 کی گرفتاری کی صورت میں میسر آیا اور لگ بھگ ایک برس بعد ہی یہ مجموعہ چھپ کر سامنے آگیا۔اس مجموعہ میں سترہ غزلیات تین نظمیں اور آٹھ قطعات موجود ہیں۔اس کا دیباچہ بھی سینٹرل جیل حیدر آباد میں لکھا گیا (بتاریخ 26 ستمبر 1992) جو ابتدائیے کے تحت کتاب کا حصہ بنایا گیا۔اس مجموعے کا بیشتر کلام جیل کی سلاخوں کے پیچھے تحریر ہوا ہے۔اس مجموعے کا جائزہ لینے پر فیض کے نفسیاتی رجحانات میں ایک واضح تغیر دکھائی دیتا ہے۔اگرچہ اس مجموعہ کی اشاعت سے قبل بھی فیض بڑے شاعر تھے جس کے ہاں دردمندی اور کرب سانس لے رہا تھا مگر اس مجموعہ میں یاس سے پھوٹتی ہوئی امید کا جو ہالا فیض کے گرد دکھائی دیتا ہے وہ انہیں دیگر حبسیات نگاروں کی فہرست میں سے ایک بالکل جداگانہ حیثیت عطا کرتا ہے۔مجموعے کا آغاز ہی اس رجائیت بھرے اندھیرے سے ہوتا ہے جس کے سائے فیض کو نگل تو رہے تھے مگر فیض ہتھیار ڈالنے پر بالکل آمادہ نہیں تھے

متاع لوح و قلم چھن گئی تو کیا غم ہے
کہ خون دل میں ڈبوئی ہیں انگلیاں میں نے
زباں پہ مہر لگی ہے تو کیا کہ رکھ دی ہے
ہر ایک حلقہ زنجیر میں زباں میں نے ۲

یہ پہلا ہی قطعہ اس نڈر پن بے خوفی اور احتجاج کا استعارہ ہے جس کا نمائندہ یہ پورا مجموعہ ہے۔

اس مکمل مجموعہ کے نفسیاتی مطالعے سے جو پہلو غالب تر ثابت ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ جیل کی سلاخیں دراصل فیض کے لیے ایک تجربہ گاہ اور جولان گاہ ثابت ہوئی تھیں۔انہیں جس عدم خاموشی پر جیل برد کیا گیا تھا وہ زبان جیل کی سلاخوں سے مزید دو دھاری ہو گئی تھی۔ان اشعار سے صرف بے خوفی ثابت نہیں ہوتی بلکہ یوں لگتا ہے جیسے فیض کھلے بندوں اپنے صیاد کو چیلنج کر رہے ہیں۔انہیں یہ باور کرا رہے ہیں کہ تم جو بھی رویہ اختیار کرو جتنا بھی ظلم و جبر کرو گے میرے اطوار یہی رہیں گے۔مثلاً نظم "اے دل بیتاب ٹھہر" کے اشعار ملاحظہ کیجیے

اپنے دیوانوں کو دیوانہ تو بن لینے دو

اپنے میخانوں کو میخانہ تو بن لینے دو

جلد یہ سطوت اسباب بھی اٹھ جائے گی

یہ گرانباری آداب بھی اٹھ جائے گی

خواہ زنجیر چھنکتی ہی چھنکتی ہی رہے ۳

فیض کی شہرہ آفاق نظم "صبح آزادی" جواب ہر باغی کا ترانہ بن چکی ہے بھی اسی مجموعے کا حصہ ہے۔خود اس نظم کا انفرادی نفسیاتی مطالعہ بھی اسی رجحان سے میل کھاتا ہے جس کا پروردہ یہ تمام مجموعہ ہے۔وہی امید وہی نڈر پن اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کا انداز اس نظم کی بھی غایت میں موجود ہے لیکن یہ انداز ہر گز غیر انسانی ہیر وازم کی حد میں داخل نہیں ہوتا۔وہ جانتے ہیں کہ یہ ولولہ اگرچہ ان کے باطن میں پنپ تو رہا ہے مگر اس کو ہرا رکھنے کے لیے انہیں ذات کی خانہ جنگی سے گزرنا پڑتا ہے اس خانہ جنگی کی نمائندہ ان کی یہ نظم ہے جو دو حصوں میں بانٹ دی گئی ہے ہے۔پہلی آواز یاس ہے جو اپنے ارد گرد سے اندھیروں کا انجذاب کرتی ہے اور ناامیدی دلاتی ہے

شادابیِ دل، تفریحِ نظر،اب زیست کا درماں کوئی نہیں

جینے کے فسانے رہنے دو،اب ان میں الجھ کر کیا لیں گے

اک موت کا دھندا باقی ہے،جب چاہیں گے نپٹا لیں گے

یہ تیرا کفن،وہ میرا کفن،یہ میری لحد،وہ تیری ہے ۴

مگر ایک دوسری آواز بھی ہے جو رجائیت کی آواز ہے اور ہر گز ہار ماننے پر تیار نہیں

یہ ہاتھ سلامت ہیں جب تک،اس قوم میں حرارت ہے جب تک

اس دل میں صداقت ہے جب تک،اس نطق میں طاقت ہے جب تک

ان طوقِ سلاسل کو ہم تم،سکھلائیں گے شورشِ بربط و نَے

وہ شورش جس کے آگے زبوں ہنگامہءِ طبلِ قیصر وکَے ۵

ایک اور تیسرا غالب نفسیاتی رجحان یاد ماضی ہے جو جابجا اس مجموعے میں نظر آتا ہے۔مگر یہ یاد محض یاد ہے جو فراغت میسر آنے کے سبب اڈ آتی ہے۔اس یاد میں یاس یا پچھتاوا نہیں ہے بلکہ صرف یاد برائے یاد ہی اس کا محرک ہے۔

کبھی کبھی یاد میں ابھرتے ہیں نقش ماضی مٹے مٹے سے

وہ آزمائش دل و نظر کی،وہ قربتیں سی،وہ فاصلے سے ۶

ادراک بھی اس مجموعے کا ایک اور نفسیاتی رجحان ہے۔ایک جانب اگر بے خوفی ہے تو دوسری جانب پابند سلاسل شخص کو اس بات کا پوری طرح احساس ہے کہ ابھی یہ ستم کٹنے کا نہیں ہے۔ابھی یہ تیرگی اجالے میں نہیں بدلنے کی۔

ہاں تلخیِ ایام ابھی اور بڑھے گی

ہاں اہل ستم مشق ستم کرتے رہیں گے ۷

اور پھر ساتھ ہی اس اضطراب پر وہی بے خوفی کی زبان حاوی ہو جاتی ہے جو دیگر کلام کا خاصہ ہے۔

1956 میں فیض کا تیسرا مجموعہ کلام زنداں نامہ سامنے آیا۔زنداں نامہ کا عنوان ہی بڑا معنی خیز ہے کہ اس میں فیض کی آپ بیتی زنداں بیتی بن کر ان کے کلام پر اثرات مرتب کرتی ہے۔قید و بند کی صعوبتوں اور تنہائی کے سبب انسان کا زیادہ رجحان چونکہ داخلی جانب ہوتا ہے اس لئے اسی نفسیاتی میلان کا مظاہرہ اس کتاب میں ملتا ہے۔اس مجموعے میں 11 نظمیں، 15 غزلیں،اور 7 قطعات ہیں۔مضامین قریباوہی ہیں جو پس سلاسل کے فیض کی پہچان ہیں۔اس مجموعے کا سن تحریر 1952 سے 1955 تک ہے۔زنداں نامہ کی غزلیں محض بے خوفی کی علامت نہیں ہے ان میں حس لطافت اور ناز کی کی وہ خوبی موجود ہے جو کسی بھی فنکار کا حصہ ہوتی ہے اور یہی نکتہ باعث حیرت ہے کہ خود کو شعلوں کے سپرد کرنے پر تلا ہوا شخص جو مقتدرین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انہیں چیلنج کرتا رہا ہو وہ یہ شعر جیل کے اندر بیٹھ کر کیسے لکھ سکتا ہے

اٹھ کر تو آ گئے ہیں تری بزم سے مگر

کچھ دل ہی جانتا ہے کہ کس دل سے آئے ہیں

باد خزاں کا شکر کرو فیض جس کے ہاتھ

نامے کسی بہار شمائل سے آئے ہیں ۸

اور پھر اتنی لطافت لفظوں میں کہاں سے در آتی ہے کہ جیل میں خوشبو کا تحفہ وصول ہونے پر اجنبی خاتون کے لئے پوری نظم کہہ ڈالتے ہیں کہ

کسی کے دست عنایت نے کنج زنداں میں

کیا ہے آج عجب دل نواز بند و بست

دراصل یہ نظم فطرت انسانی کے نفسیاتی تقاضوں پر عین پورا اترتی ہے جیل کی تاریک دنیا وہ دنیا ہے جہاں خارج سے تمام روابط ختم ہو جاتے ہیں۔ طے شدہ چہروں سے ملاقات ہوتی ہے اور پیش گوئید ذہنوں سے مکالمہ۔ ایسے میں اگر خارجی دنیا کا نمائندہ بن کر کوئی اجنبی تحفہ بھیجے گا تو وہ یقیناً ٹھنڈی ہوا کے جھونکے سے کم نہیں ہے۔ کوئی بھی مقید انسان اس ادا سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اور پھر فیض جیسے نرم خو انسان کے لیے ممکن نہیں تھا کہ خوشبو کا یہ تحفہ ان کو روح تک معطّر نہ کرتا اور بعین یہی ہوا۔ حیدر آباد جیل کے بعد منٹگمری آمد سے قبل فیض کو بغرض علاج کراچی منتقل کیا گیا تھا جس نے ان کی طبیعت پر یاسیت بھرے اثرات مرتب کیے حالانکہ اصولاً اس مختصر قیام کی وجہ سے ان میں رہائی کی امید جڑ پکڑنی چاہیے تھی لیکن فیض نے اس کے برعکس حسرت میں پناہ لی۔ شاید اس عمل کا نفسیاتی محرّک یہ حسرت ہی رہی ہو گی۔ غالباً انہیں امید تھی کہ انہیں جلد رہا کر دیا جائے گا مگر جب ایسا نہ ہو سکا اور علاج کے بعد انہیں دوبارہ جیل منتقل کرنے کا ارادہ کر لیا گیا تو امید کی جگہ حسرت اور یاسیت نے لے لی۔ ہسپتال میں لکھی گئی ایک غزل کے اشعار دیکھئے

شام فراق اب نہ پوچھ، آئی اور آ کے ٹل گئی

دل تھا کہ پھر بہل گیا، جاں تھی کہ پھر سنبھل گئی

زنداں نامہ کو فیض کی زندان کی تمام تر یادوں کی تلخیص قرار دیا جائے تو غلط نہ ہو گا۔ جہاں یاس بھی ہے، وطن سے محبت، بے خوفی، نڈر پن، امید، حسرت، خوشی تاثرات اور حالات کی کڑواہٹ کی تلخی بھی۔ اس تلخی کا اظہار انہوں نے خود زنداں نامہ میں کیا ہے۔

فیض کے چوتھے شعری مجموعے "دستہ تہہ سنگ" کی اشاعت 1965 میں عمل میں آئی۔ اس مجموعے کی نظمیں ملی جلی ہیں۔ بعض ان میں سے دور اسیری کی یادگار ہیں اور بعض اسیری کے بعد کی۔ اس مجموعے میں 15 نظمیں 11 غزلیں 7 قطعات شامل ہیں۔ یہ پہلی کتاب تھی جو جیل سے رہائی کے بعد منظر عام پر آئی تھی لہذا اس کے موضوعات میں بعد از مرگ کی کیفیت بڑی نمایاں دیکھی جا سکتی ہے۔ جیل کا مخصوص ماحول دیکھنے اور چار برس تک ان دیواروں میں قید رہنے کے بعد ان کے افکار میں کیا تبدیلی آئی اور شعری اسالیب موضوعات و خیالات پر کیا اثرات مرتب ہوئے دلچسپ نفسیاتی بحث ہے۔ اس مجموعے کا بادی النظری سے ہی مطالعہ کرنے پر جو خیالات سامنے آتے ہیں وہ کسی مصلح اور لیڈر کے سے ہیں۔ ایسے مربی کے جو اپنی قوم کی حالت بدلنے پر آمادہ ہے جو اس بات کا قائل ہے کہ وہ اقبال کی طرح اپنی قوم کی تقدیر پر اثر انداز ہو سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس مجموعہ کلام میں وہ للکار اور پکار دکھائی دیتی ہے جو ترقی پسند شعرا کا خاصہ رہا ہے۔ مجموعے کا آغاز ہی اس نظم سے ہوتا ہے

شاید کبھی افشاں ہو، نگاہوں پہ تمہاری

ہر سادہ ورق جس سخن کشتہ سے خوں ہے

شاید کبھی اس گیت کا پرچم ہو سرفراز

جو آمد صرصر کی تمنا میں نگوں ہے

شاید کبھی اس دل کی کوئی رگ تمہیں چبھ جائے

جو سنگ راہ کی مانند زبوں ہے

درج بالا اس نظم کے ہر شعر کا آغاز لفظ شاید سے ہونا خود میں ہی ایک نفسیاتی تبدیلی ہے۔ بے یقینی اور چاہ کا ملا جلا سنگم جس کی ہر سطر میں امید حسرت تڑپ اور ایسی خلش چھپی ہے جو کوئی شدید بے بس انسان اس وقت محسوس کرتا ہے جب اس کا کوئی بہت قریبی عزیز کسی تکلیف سے دوچار ہو اور وہ اس کے بارے میں کچھ بھی نہ کر سکتا ہو۔ تاہم تکلیف کا یہ انداز تمام کلام کا حصہ نہیں ہے کلام کے زیادہ تر حصے پر وہی مصلح اور مربی کا سا جوشیلا انداز غالب ہے

اڈی ہے ہر اک سمت سے الزام کی برسات

چھائی ہوئی ہر دانگ الامت کی گھٹا ہے

اس مجموعے میں ایک اور جداگانہ پہلو اگرچہ فیض کی فنی خصوصیات سے متعلق ہے تاہم اس کے پیچھے کی نفسیاتی واردات واضح ہے وہ نظموں کے عنوانات کو مختلف شہروں کے نام دینا ہے۔ ان نظموں کے عنوانات "سنکیانک"، "پیکنگ" رکھے گئے ہیں جو بڑے معنی خیز ہیں۔ ایک شخص جو چار سال جیل کی سلاخوں کے پیچھے کی محدود دنیا میں رہ کر دنیا یاترا پر نکلے گا وہ کس طرح دنیا کو دلچسپی اور شوق سے از سر نو دریافت کرے گا اور انہیں اپنے افکار پر رکھے گا یہ نظمیں اس کی بہترین مثال ہیں۔

فیض کا پانچواں مجموعہ کلام "سر وادی سینا" ہے جو 1971 میں چھپ کر سامنے آیا۔ یہ مجموعہ اگرچہ فیض کی جیل سے رہائی کے بعد ضبط تحریر میں آیا مگر اس سے وہ کا یا کلپ مترشح ہے جو زندان کی دیواروں میں ہوئی۔ اس مجموعہ میں 35 غزلیں اور نظمیں شامل ہیں۔ نظموں اور غزلوں کی بڑی تعداد روس کے شہر ماسکو میں لکھی گئی تھی۔ اس کی زیادہ تر غزلیں اداسی کی مظہر ہیں اس اداسی کی بظاہر وجہ تو جلاوطنی نظر آتی ہے۔ اپنے وطن، ہم وطنوں اور خاندان والوں سے دوری کا احساس ان کے کلام میں اداسی کو جنم دیتا ہے۔ اس مجموعے کا طویل انتساب ہی ان کی اداسی اور الم کا غماز ہے۔ ہر پسے ہوئے، حالات کے مارے ہوئے ہم وطن سے فیض نے اس کتاب کو منسوب ہی نہیں کیا بلکہ اپنی دلی حالت بیان کی ہے اور آخر میں اسے ناتمام لکھ کے دراصل اپنے تمام ناتمام دکھوں کی بپتا سنائی ہے۔ دکھ کی یہ کیفیت اس پورے مجموعہ کلام کا خاصہ ہے

سارے درد والم سارے جور و ستم

دور کتنی ہے خورشید محشر کی لو آج کے دن نہ پوچھو مرے دوستو ۳

دکھ کیلئے دائمی کیفیت اس مجموعہ پر حاوی ہے مگر کہیں کہیں وہ باغی اور نڈر فیض بھی سر اٹھاتا دکھائی پڑتا ہے جسے زنداں کی دیواروں نے فولادی ذہن عطا کیا تھا۔

اس مجموعے کی سب سے پر تاثر اور اثر آفریں نظم "سپاہی کا مرثیہ" ہے۔ یہاں یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ یہ نظم جس دور میں لکھی گئی وہ 1965 کی پاک بھارت جنگ کا زمانہ تھا اگرچہ فیض کے ہاں جنگ اور اس کی ہولناکیوں کے متعلق کوئی پختہ خیالات اور موضوعات نہیں ملتے مگر یہ نظم اس بات کی پروردہ ہے کہ بھلے ہی وہ اس سے پہلے کئی سال جلاوطنی کی زندگی گزار کے آئے تھے، کمیونزم اور بائیں بازو کی جماعت سے تعلق رکھنے کی وجہ سے ملک کے سیاسی مقتدرین سے انہیں عداوت تھی مگر اس کے باوجود جب ملک میں جنگی حالات برپا ہوئے تو عام شہریوں کی طرح انھوں نے بھی اس سے بے بہا اثرات قبول کیے۔ اس نظم کا ایک اور معنی خیز پہلو اس پر ہندی زبان کے اثرات ہیں۔

جانے کب سے راہ تکے ہیں

بالی دلہنیا، بانکے ویرن

سونا تمہر راج پڑا ہے

دیکھو کتنا کاج پڑا ہے

بیری بیراجے راج سنگھاسن

تم ماٹی میں لال

اٹھو اب ماٹی سے اٹھو، جاگو میرے لال ہٹ نہ کرو ماٹی سے اٹھو جاگو میرے لال

ہٹ نہ کرو ماٹی سے اٹھو، جاگو میرے لال

اب جاگو میرے لال

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

جلاوطنی کے دور نے چونکہ فیض کے لئے دنیا کے نئے رخ وا کیے تھے لہذا اس کی منظومات میں "دست تہہ سنگ" کی طرح آفاقی موضوعات بھی دکھائی دیتے ہیں۔ مثلاً عرب اسرائیل جنگ پر لکھی گئی ان کی نظم جس کے تحت کتاب کا عنوان رکھا گیا "سر وادی سینا" اس کی بڑی مثال ہے۔

فیض کا چھٹا مجموعہ "شام شہر یاراں" 1978 میں چھپا۔ اس مجموعہ میں تراجم، پنجابی نظمیں، غزل، نظم، قطعات، انٹرویو سبھی کچھ موجود ہے۔ اس مجموعے میں پچھلے مجموعوں کی نسبت فیض کا لب و لہجہ پھر سے شاعرانہ دکھائی دیتا ہے لیڈر، مربی اور ناصح فیض یہاں کم کم ابھرتا ہے۔ نقش فریادی کی طرح اس کے موضوعات میں بھی روایتی قسم کے موضوعات دیکھے جا سکتے ہیں۔ دراصل زنداں نے ان کی زندگی میں جو تغیر برپا کیا تھا اس کے اثرات قریباً دو دہائیوں تک ان کے کلام میں نمایاں رہے۔ (یہ بذات خود اہم نکتہ ہے کہ جیل میں چار سال بند رہنے والے شخص نے ان تجربات کو بیس سال تک مکمل جیا اور بعد میں بھی اس کے اثرات مکمل رفع نہیں ہوئے) البتہ قریب دو دہائیوں کے بعد ان کے کلام میں وہ روایتی شاعرانہ پن دکھائی دینا شروع ہوتا ہے جو اس بات کا شاہد ہے کہ اس وقت فیض زندان کے اثرات سے ذہنی رہائی پانے کی طرف گامزن ہو چکے تھے۔

مرے دل مرے مسافر فیض کا مختصر مجموعہ کلام ہے جو 1982 میں چھپا۔ اس مختصر مجموعہ کا انتساب یاسر عرفات کے نام ہے۔ اس سے پیشتر کے تمام مجموعہ طویل پیش لفظوں اور حروف آغاز سے شروع ہوتے ہیں تاہم یہ مجموعہ ایسے تکلفات سے عاری ہے اور براہ راست اس نظم سے آغاز ہوتا ہے جو اس مضمون کا عنوان بھی ہے۔ اس کی خاص بات یہ ہے کہ یہ جلاوطنی کے دوسرے دور میں لکھا گیا۔ اگرچہ فیض کی شاعری عمومی طور پر امید اور ثبات سے بھری ہوئی دکھائی دیتی ہے مگر اس مجموعہ میں وہ ایک تھکاوٹ زیادہ انسان دکھائی دیتے ہیں جو زندگی میں دوڑتے دوڑتے تھک گیا ہے۔ یہ تھکاوٹ اور بوسیدگی اس مجموعے کی پہلی ہی نظم سے ظاہر ہوتی ہے

مرے دل مرے مسافر ہوا
پھر سے حکم صادر
کہ وطن بدر ہوں ہم تم
دیں گلی گلی صدائیں
کریں رخ نگر نگر کا
کے سراغ کوئی پائیں
کسی یار نامہ بر کا
ہر اک اجنبی سے پوچھیں
جو پتا تھا اپنے گھر کا

یہ مایوسی اور تھکاوٹ اس پورے مجموعہ میں فیض پر غالب رہی ہے۔ نظموں کے عنوانات ملاحظہ کیجئے "پھول مرجھا گئے سارے"، "شوپیں کا نغمہ بجتا ہے"، "لاؤ تو قتل نامہ میرا"، "تین آوازیں (ظالم، مظلوم، ندائے غیب)"، "یہ ماتم وقت کی گھڑی ہے"، "ہم تو مجبور وفا ہیں"، دو نظمیں فلسطین کے لئے"، "میرے ملنے والے"، "گاؤں کی سڑک" وغیرہ۔ فیض کی شہرہ آفاق نظم جواب ترانے کی صورت اختیار کر چکی ہے "ویبقی وجہ ربک" (ہم دیکھیں گے) بھی اسی مجموعہ کا حصہ ہے۔ "غبار ایام" اگرچہ فیض کا کوئی باقاعدہ شائع شدہ مجموعہ نہیں ہے مگر اس میں انہی خیالات کی توسیع نظر آتی ہے۔ اس میں فیض کا منتشر اور غیر مطبوعہ یعنی تمام کلام جو زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہو سکا تھا یکجا کیا گیا ہے۔ درج بالا تمام رجحانات کے علاوہ جو ایک رجحان فیض کے ہاں مستقل اور دائمی ہے وہ محبت ہے۔ اگرچہ فیض کی شاعری بڑے موضوعات اور ادب برائے زندگی کی شاعری ہے۔ خاص کر ان کی زندانی شاعری کے متعلق میجر اسحاق کا یہ ماننا ہے کہ

"فیض کی جیل کی شاعری میں وطن کی محبت کے چشمے ہر طرف پھوٹ رہے ہیں۔ وہ جا بجا اپنے دیس اور اس کے باسیوں کی خستہ حالی، قوم کی عزت و ناموس کی ارزانی، لوگوں کی ناداری، جہالت، بھوک اور غم کو دیکھ دیکھ کر بے طرح تڑپ رہے ہیں "

مگر انہوں نے زندان میں رہتے ہوئے بھی محبت پرور شاعری سے دامن نہیں چھڑایا۔ نہ ہی یہ کہا جا سکتا ہے کہ فیض کی ساری شاعری سرخ سلام کی شاعری ہے۔ سرخیلا ہونے کے ساتھ ساتھ فیض ایک بڑے شاعر بھی تھے اور ان کے ہاں غزل کا یہ روایتی موضوع پوری آب و تاب کے ساتھ چمکتا دکھائی دیتا ہے۔ بالخصوص زندان میں رہتے ہوئے انہوں نے اپنی بیوی کے لئے جو اشعار کہے وہ محبت اور پشیمانی کے ملے جلے جذبات سے لبریز ہیں یہ نظم فیض نے ایلس کی سالگرہ کے موقع پر کہی تھی اس کے پیچھے کی نفسیاتی کیفیت جس

HARF-O-SUKHAN
Urdu Research Journal of PAKISTAN
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

سے فیض دوچار تھے، کوئی بھی یہ اندازہ باآسانی قائم کر سکتا ہے کہ وہ اگرچہ اپنے افکار وخیالات پر شرمندہ تو نہیں مگر دوران سفر انہوں نے جوزک ایلس کو پہنچائی اس پر نادم ضرور ہیں۔ فیض 1951 سے لے کر 1955 تک قید رہے۔اس عرصے میں وہ سرگودھا، فیصل آباد، حیدر آباد منٹگمری وغیرہ کی جیلوں میں رہے اور تنہائی کا بھی سامنا کیا۔آغاز میں تو انہیں کسی سے ملاقات یا خط وکتابت کی بھی اجازت نہیں تھی اور نہ ہی یہ اجازت تھی کہ وہ اپنا تخلیقی جوہر دکھا سکیں۔تاہم بعد میں انہیں یہ سہولیات مہیا کر دی گئیں۔ جیل کے ماحول نے فیض پر جو اثرات مرتب کیے ان کی بازگشت تمام عمر ان کی شاعری میں رہی۔فیض جیسے نرم مزاج انسان کے لئے یہ تجربہ بالخصوص قید تنہائی ایک دل گرفتہ سانحہ تھا جس کے اثرات بحیثیت انسان اور بحثیت شاعر ان پر مرتب ہوئے۔ان کی نرم مزاجی جیل کے ان تجربات کے بعد بھی برقرار رہی۔ جیل کے کئی واقعات ہیں جو ان کے زندان کے ساتھی میجر اسحاق نے نقل کیے ہیں جس سے ان کی نرم مزاجی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو گی کہ انہیں نفسیاتی خلل رفع کرنے کے لیے شاعری کی صورت ایک ایسا vent میسر تھا جہاں وہ اپنے دل کی کہہ رہے تھے اور نتیجتاً ان کا ذہن نارمل رہتا تھا۔یہی وجہ ہے کہ انہوں نے جیل میں پھلواڑیاں بنائیں اور ان میں لندن سے منگا کر پھول لگائے۔لیکن ان تمام باتوں کا یہ مطلب نہیں کہ قید نے فیض پر کوئی نفسیاتی اثرات مرتب نہیں کیے میجر اسحاق کے مطابق "وہ جیل کی دیواروں، دروازوں، سلاخوں، پہرے داروں کو غور سے دیکھنے لگے تھے۔پہلے باہر کی دنیا کے ساتھ تخیل کا بلاواسطہ تعلق تھا اب اسے بھی جیل کی دیواریں پھاند کر آنا پڑتا تھا" لہذا فیض کی شاعری زنداں کی براہ راست روداد بن جاتی ہے جس نے فیض کو تخیل کی پرواز عطا کی۔ارد گرد کے ماحول میں تنگی آجائے تو اکثر اوقات فکر ونظر میں بھی تنگی آجاتی ہے۔کنویں کے مینڈک کی کے لئے اس کا پورا جہاں ہی مئلا، بدبودار اور کائی زدہ ہوتا ہے۔قیدی کی زندگی بھی اسی طرح جیل کی سلاخوں جیسی تاریک ہو جاتی ہے لیکن کچھ رخشندہ ذہن افراد ایسے ہوتے ہیں جن کے لیے جیل ایسی تجربہ گاہ بن جاتی ہے جہاں سے وہ کندن بن کر نکلتے ہیں۔ فیض احمد فیض کے ذہن نے بھی اس تجربہ گاہ سے ایسے آب حیات کشید کیے جس کی تاثیر نے انہیں آج تک دنیائے ادب میں زندہ رکھا ہوا ہے۔

حوالہ جات

ا۔ فیض احمد فیض، نقش فریادی ، دہلی: اردو گھر، ۱۹۴۱ء، ص ۳۶

۲۔ فیض احمد فیض، دست صبا، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۸۲ء، ص ۹

۳۔ ایضاً ص ۱۱

۴۔ ایضاً ص ۲۳

۵۔ ایضاً ص ۲۶

۶۔ ایضاً ص ۱۲

۷۔ ایضاً ص ۲۱

۸۔ فیض احمد فیض، زنداں نامہ، علی گڑھ: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۵۷ء، ص ۸۷

۹۔ ایضاً ص ۲۲

۱۰۔ ایضاً ص ۲۵

۔ ایضاً ص ۸

۔ ایضاً ص ۲۸

۔ فیض احمد فیض، سر وادی سینا، لکھنؤ: کتابی دنیا، ۱۹۶۲ء، ص ۱۰۱

۔ ایضاً ص ۵۶

۔ فیض احمد فیض، مرے دل مرے مسافر، دہلی: شاہین بک سینٹر، ۱۹۸۲ء، ص ۱۰۱

۔ فیض احمد فیض، زنداں نامہ، علی گڑھ: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۵۷ء، ص ۵۳